منصور علی ویسریو

سندھ میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی تشکیل

Abstract

The term "Progressive" acquired a totally new meaning through out the world after the "Soviet revolution".

This revolution changed the whole world in regard to the arts, politics, and social issues/trends also it changed the attitudes and tendencies of the people from different aspects.

The whole world was divided into two schools of thought. Particularly in Sindh there was a new turn in Sindhi literature. Due to this it became necessary for Sindhi writers to make the people rise up against the class system in the world at that time. Sindhi writers began to lead the common people. They made people conscious against the class system.

After the Second World War the young writers began to preach progressivism with zeal and zest. In 1945 the progressive writers laid the foundation of this organization. The first secretary of the organization was Gobind Malhi. This organization used to hold the meeting every weekend and in the background of this thought the criticism was made by the members of the group.

After the partition of the subcontinent development of progressive literature was negatively affected while conservative writers' organization continued to work in their own direction.

In 1954, the communist party was banned by the Government of Pakistan. Consequently the progressive writers' organization was also banned. Hence a new organization in the name of Sindhi Adabi Sangat was organized.

Due to "One Unit" a new spirit got revived and especially Sindhi writers struggled to give recognition to the language and culture of Sindh. The main personalities who came forward for this cause were Shaikh Ayaz, Ayaz Qadri, Rasheed Bhatti, Siraj, Ibrahim Joyo, Sobho Giyanchandani and others.

Gradually the branches of "Sindhi Adabi Sangat" were established in every town and city and "Sangat" still continues to work

Shah Abdul Latif Bhittai Chair

پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان دنیا میں محکوم اور غلام اقوام کی آزادی کی کوشش بھی شروع ہو چکی تھی۔ معلومات عام ہونے کی وجہ سے ان تحریکوں کے متعلق خبریں اور تفصیلی اطلاعات برصغیر تک بھی آ پہنچیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزوں سے جان چھڑانے کے لئے قومی آزادی کی سیاست کی بنیاد پڑی اور آہستہ آہستہ اس کے اثرات بڑھنے لگے۔ اس کے اثرات سندھ پر بھی پڑنے ہی تھے اور پڑے۔ تمام دانشور، ادیب اور شاعر، مذہبی اور سیاسی تفریق کے بغیر آزادی کے موضوع اور قومی شعور کی بیداری کے موضوع پر بامقصد تخلیقی ادبی سرگرمیوں میں مصروف عمل ہو گئے۔ اس میں کانگریسی بھی تھے تو مہاسبھائی بھی، مسلم لیگی بھی تھے تو خاکسار اور احرار بھی، قوم پرست عالم بھی تھے تو خلافت تحریک والے بھی۔ سب کا ایک مجموعی اور عام مقصد تھا انگریزوں کی غلامی سے آزادی۔ اس وقت معاشرتی مسائل کو نظر انداز کیا گیا اور قوم پرستی اور آزادی کی جدوجہد آگے بڑھ کر اہم مہم بن گئی۔

اس عمل کے دوران جلد ہی، اس سیاسی سوچ اور فکر میں ایک اور رجحان بھی شامل ہو گیا، دوسری جنگ عظیم کے دوران اور بعد میں مواصلاتی، اشاعتی اور طباعت کے وسائل میں انقلابی ترقیاں اور تبدیلیاں آئیں۔ دنیا کی وسعت تنگ ہو کر سکڑتی چلی گئی اور ملکوں کی سرحدیں ایک دوسرے کے بہت قریب ہوتی چلی گئیں۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد روس میں عوامی مزدور انقلاب آیا۔ اس انقلاب نے نئے سائنسی اور مارکسی فلسفے کے پرچار اور پھیلاؤ میں اہم کردار ادا کیا۔ اور محرک قوت ثابت ہوا۔ پوری دنیا کے ادب، فکر اور سوچ کا بہاؤ کسی سے اجنبی اور مخفی نہ رہا۔ عالمی ادب برصغیر کی دیگر زبانوں کے ادب کی طرح سندھی ادب کو بھی متاثر کرنے لگا۔ بقول ڈاکٹر غفور میمن:

"کوئی بھی دانشور اور باشعور شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مارکسزم نے اسے سوچنے پر مجبور نہیں کیا۔ پوری دنیا میں کروڑوں انسانوں کے دلوں اور دماغوں میں گھر کرنے والے اس نظریئے نے سندھ میں بھی اپنے گہرے اثرات مرتب کئے۔ کیونکہ مارکسزم محنت کش لوگوں کا نظریاتی ہتھیار ثابت ہوا، اسی لیے سندھ میں جاگیردارانہ اور وڈیرانہ سماج میں رہنے والے لوگوں کو ایک سہارا مل گیا۔"(1)

زبان، ثقافتی اور سماجی پس منظر کے اعتبار سے تو سندھی ادب مقامی، ملکی اور قومی ادب ہی

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

رہا، مگر موضوع اور مسائل کے اعتبار سے بین الاقوامی نوعیت کا حامل ہو گیا۔ سندھ کے پرانے، جغادری اور رجعت پرست ادیب، جن میں اکثریت شعراء کی تھی، نئی ترقیوں، تبدیلیوں اور رجحانات سے ہم آہنگ نہ ہو سکے۔ وہ ابتدائی غزل گو فارسی زدہ شاعری سے ہی اپنی دکان سجائے بیٹھے رہے۔ کسی تصوراتی اور خیالی حسینہ کے لب و رخسار، زلف و کاکل اور گردن صراحی نما اور آہو چشم کے ذکر اور تعریف سے تماشائیوں اور قارئین سے داد وصول کرتے تھے اور آپس میں بیٹھ کر استاد الشعراء، تاج الشعراء اور محسن الشعراء وغیرہ جیسے القاب تقسیم کیا کرتے تھے۔ وقت کا چلن بدلا تو ان کی دکانداری کمزور ہوتی گئی کیونکہ ان کے پاس زمانے اور حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، دینے کے لئے کوئی نیا سامان تھا ہی نہیں۔ اس کے مقابلے میں عالمی اور برصغیر کی ترقی یافتہ زبانوں کے ادب سے متاثر اور اپنے لوک ورثے اور کلاسیکی شاعری کی فنی اور فکری خوبیوں اور ان کی قدر و قیمت، اہمیت اور افادیت کو چھان پرکھ کر، ادب میں نئے رجحانات اور قدروں کو روشناس اور مروج کرنے والے ادباء اور شعراء، عوام میں مقبولیت اور شہرت کی منازل طے کرنے لگے۔ ان نئی سوچ اور فکر رکھنے والوں نے نہ صرف انسانیت، محبت اور آزادی کے گیت گائے بلکہ سندھ سے بری ریتوں رسموں اور فرسودہ رواج کے خلاف بھی جہاد کیا۔ ہندوستان کے مظلوم، محروم اور پسے ہوئے عوام کے حقوق کیلئے آواز اٹھانے اور انہیں بیدار کرنے میں بھی انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔ پورے سندھ میں نوجوان ادیبوں کی کئی انجمنیں قائم ہوئیں اور بہت سے ادبی ادارے وجود میں آئے جو صرف ایسے ناول، اشعار اور افسانوں کی اشاعت کرنے لگے، جن میں ترقی پسند خیالات ہوتے تھے۔ اس دور کے ادب میں ملکی آزادی اور اشتراکیت کے خیالات عام طور پر ملتے ہیں۔ اس دور کا ایک ترقی پسند ادیب، ترقی پسند ادب کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"ترقی پسند ادب آج کی موجودہ کشمکش سے پیدا ہوا ہے اور انسانی فطرت کے انقلابوں کا عکس ہے۔ ترقی پسند ادیب اپنی زندگی کو عوام کی زندگی سے جوڑتا ہے۔ وہ لوگوں کے درمیان رہ کر ان کے ہر ایک مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی دل پر گروہی سماج کے طبقات کی بغاوت کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ عوام کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔ وہ سماج کو تبدیل کر کے ایک نئی دنیا تعمیر کرنا چاہتا ہے۔"(2)

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

سندھ میں ترقی پسند تحریک کی ابتدا اور ترقی پسندوں کے عزائم کے حوالے سے ڈاکٹر نور افروز یوں بیان کرتی ہیں:

"حقیقت میں برصغیر کے دیگر علاقوں کے ساتھ ساتھ، سندھی ادب میں بھی ترقی پسند رجحان نے 1940ع کے بعد کے دور میں ہی جڑیں مضبوط کیں۔ اسی دور میں اردو کے ترقی پسند مصنفوں کی تصانیف سندھی میں ترجمہ کی گئیں۔ ان تراجم نے سندھی ترقی پسند ادب اور ادیبوں کی سوچ میں جدت کے لئے مدد کی۔ اور سندھی کے ترقی پسند ادیبوں نے اپنی تخلیقات میں ان تراجم کے ذریعے تکنیک اور فارم میں تبدیلیاں لائیں۔ یہاں ایک بات ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے کہ سندھی ادباء نے اپنا کوئی نسبتی روپ نہ اختیار کرتے ہوئے، اپنی تخلیقات میں اردو ادب اور آئے ہوئے رجحانات کا روپ اختیار کیا۔ غربت جو جاگیر دارانہ نظام کا نتیجہ تھی۔ نابرابری جس کو کلاس درجہ بندی کی ہوس نے جنم دیا، اصلاح کی جدوجہد، جسے مذہب نے جنم دیا، انہوں نے زندگی میں ترقی کو نہ صرف نقصان پہنچایا بلکہ وہ خود زندگی کے لیے خطرہ بن گئے۔(3)

وہ مزید لکھتی ہیں:

دوسری خاص بات یہ ہے کہ سماجی، سیاسی اور مذہبی اُدباء کے مخالفانہ رویے کی صورت میں ترقی پسندوں نے ابتدا میں ایک طرف انگریزوں کے علاوہ زمینداروں، سرمائیداروں اور مذہب کے ٹھیکیداروں کی زیادتیوں کے خلاف زبردست مخالفت کی۔ تو دوسری جانب پیار اور محبت کے علاوہ بیوی اور شوہر کے پیار اور برابری کا بھی بے باکی سے اظہار کیا۔ انہوں نے نئے سماج اور لوگوں کے لیے تڑپ اور بہتر زندگی کے لیے جدوجہد کی۔ ان کی تجویزوں میں عورت اور مرد کی برابری اور روشن مستقبل کی آس صاف ظاہر ہے۔ جو سندھ کی زندگی کی عمومی تصویر بھی ہے تو جدید زمانے کے شعور کی جھلک بھی ہے۔"(4)

ستیش روہڑا کے مطابق سندھی ادب میں ترقی پسند رجحان اردو ادب اور ادیبوں کی وساطت سے داخل ہوا، وہ لکھتے ہیں:

"1917ع کے روسی انقلاب کا اثر پوری دنیا کے ادب پر پڑا۔ اس کے بعد پوری دنیا کے ادب میں ترقی پسندی کی لہر پیدا ہوئی۔ 1936ع میں ہندوستان میں بھی ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

اس تحریک کا اثر سندھی ادب پر بھی ہونے لگا اور 1940ع کے قریب سندھ میں ایسے ادب (خصوصی طور پر نثر) کا آغاز ہوا۔ جس میں ترقی پسند رجحان کے عناصر موجود تھے، سندھی ادب میں ترقی پسند رجحان اردو کے ذریعے داخل ہوا۔ اس وقت کے سندھی ادیب اردو ادیبوں اور ادب سے رابطے میں تھے اور اردو ادب میں اس وقت ترقی پسند رجحان کا زور تھا۔" (5)

وہ مزید لکھتے ہیں:

"تقسیم سے پہلے سندھ میں" سندھی ادب میں ترقی پسند رجحان کا آنا ضروری تھا اور یہ ہندوستان کی دیگر زبانوں کے ساتھ ہی تھا، کیونکہ سندھ میں اس وقت طبقاتی جدوجہد کا مارکسی نظریہ لاگو ہوتا تھا۔ سندھ میں زیادہ تعداد میں نچلے طبقے کے کسان، کمی، مزدور شامل تھے۔ اس طبقے میں زیادہ تر مسلمان تھے۔ تھوڑی تعداد اعلیٰ طبقے والوں کی بھی تھی۔ یہ طبقہ زمینداروں کا تھا۔ اس طبقے میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے۔ اس کے علاوہ متوسط طبقہ تھا جس میں چھوٹے بڑے دکاندار، سرکاری افسر اور ملازم پیشہ لوگ شامل تھے۔ اس طبقے میں زیادہ تعداد ہندوؤں کی تھی۔ غرض کہ تقسیم سے پہلے سندھی معاشرہ طبقات میں بٹا ہوا تھا اور ان طبقات کے مفادات ایک دوسرے سے متصادم مارکس وادی نظریہ کے لیے زمین ہموار کر رہے تھے اور ادب میں اس کا عکس ترقی پسندی کے روپ میں ظاہر ہوتا رہا۔" (6)

جیسا کہ ستیش روہڑا نے ذکر کیا ہے کہ سندھ میں ترقی پسند رجحان کو لانے میں اردو ادب اور اردو کے ادیبوں کا اہم کردار ہے جبکہ عتیق احمد اپنے مقالے "ترقی پسند تحریک اور کراچی" میں لکھتے ہیں کہ سندھی شاعری کا اثر اردو کی ترقی پسند شاعری پر بہت گہرا ہے۔ ان کے مطابق:

"سوبھو گیان چندانی اور شیخ ایاز ہمارے صوبے سندھ کے اہم ترقی پسند اور مارکسٹ نوجوان تھے۔ انجمن میں ان کی شرکت سے سندھی اور اردو ادب کو ایک دوسرے کے قریب آنے میں بہت مدد ملی۔ انجمن کے ادبی اور ثقافتی پروگراموں میں ان کی بھرپور اور مخلصانہ شرکت ہم سب کے لئے بڑی تقویت کا سبب تھی۔ ان کی سندھی اور اردو تخلیقات نے ان کے لب و لہجہ نے ان دنوں بہت سے نوجوان ادیبوں کو بہت متاثر کیا، بالخصوص سندھی شاعری کا اثر اردو کی ترقی پسند شاعری پر بہت گہرا ہے۔" (7)

سندھی ادب میں ترقی پسند رجحان کب اور کیسے پروان چڑھا اس کو پوپٹی ہیرانندانی اپنی تصنیف History of Sindhi Literature (Post Independence) میں یوں بیان کرتی ہیں:

"Russian Revolution did stir the common masses for the entire world. Even the intellectual world could not fail to take a note of it, some of whom were deeply impressed by the revolutionary ideas generated by the victory of the Russian Revolution.

The progressive trend in the literary movement in Sindh was a part of this influence. Proclaiming their commitment to the cause of the common man, the progressive writers were of the opinion that literary writing should depict the sorrows and joys of the people who have been denied all the good things of life. The progressive writers accepted the theory of classes in the society and dedicated themselves to the exposure of this cruel, unjust class-ridden society by championing the cause of the down trodden. On the political plane also they took a partisan stand to side with the proletarian causes. They talked about the duties of a writer to the common man, his conscious effort and social responsibility of fighting for the poor and promoting a better and just society through the creative art. These ideas were sacred to them and they upheld these ideas in their writings."(8)

اس ضمن میں وہ مزید لکھتی ہیں کہ:

"The dawn of realism came somewhere in and around the thirties in Sindhi literature. The Natural Realism of the French writer Emile Zola, the Social Realism and the Critical Realism of Balzac combined together with the movement of social reform in Bengal and there was an awakening among the writers when the new literary association under the Presidentship of Munshi Premchand was founded in the year 1936, new thoughts had a regenerating ef-

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

fect on all the Indian languages including Sindhi. There was a sort of Renaissance in Sindhi literature which generated creative forces in all directions and they widened the horizons of the creative spirit of young writers, poet Kishinchand "Bewas" (1885-1974) and theosophist Jhethamal Parsram (1885-1948) were the pioneers of this Renaissance. The national movement of India added a new zeal to this Renaissance. Some of the older writers ventured boldly in the sphere of communal harmony, others tired to unfold the social vices, ridiculing them openly but the young ones were either enamoured of the Marxism of the Freudian theories."(9)

سندھ کا ادیب تو ابتدا ہی سے ترقی پسند رہا ہے اور ترقی پسند تحریک کو سندھ کے ادیبوں نے قبول کرنے میں دیر نہیں کی۔ کرشن چندر، روسی ادیب گورکی، دوستو وسکی، ترگنوف اور چیخوف سے سندھی ادیب بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ مارکسی فلسفے نے انہیں کافی قائل اور متاثر کیا۔ چنانچہ جیسے ہی اردو ادیبوں نے انجمن ترقی پسند مصنفین قائم کی تو سندھی ادیب بھی پیچھے نہیں رہے، اور انہوں نے ترقی پسند ادیبوں کی تنظیم کی تشکیل نو کی۔

انجمن کی تشکیل

جہاں تک انجمن کی تشکیل کا تعلق ہے ترقی پسند فکر اور رجحان رکھنے والے ادباء اور شعراء ویسے تو پورے سندھ میں پھیلے اور بکھرے ہوئے تھے اور مختلف سیاسی اور سماجی تنظیموں سے وابستہ تھے اور انہوں نے ابھی تک کوئی خالص ادبی جماعت بھی نہیں بنائی تھی۔ پہلا انتظامی ڈھانچہ ڈی جے سندھ کالج کے طالبعلموں نے پروفیسر پنجوانی کی سرپرستی میں تشکیل دیا اور "سندھی ادبی سرکل" کے نام سے ایک ادبی جماعت کراچی میں قائم کی۔(10) جلد ہی کالج سے ہٹ کر انہوں نے ایک جماعت کی بنیاد رکھی۔ اس وقت ہند میں انجمن ترقی پسند مصنفین قائم ہو کر باعمل ہو چکی تھی۔ کراچی میں سندھی ادیبوں نے بھی انجمن ترقی پسند مصنفین قائم کی۔ جس میں "سندھی ادبی سرکل" والے ساتھیوں کے علاوہ اور بھی کئی ادیب شامل ہوئے۔ شیخ ایاز، کیرت بابانی، گوبند مالھی، اتم، روشن مغل، سندری اتم

Shah Abdul Latif Bhittai Chair

چندانی، ابراہیم جویو، سوبھو گیان چندانی، پوہو، ستار شیخ اور حیدر وغیرہ اس کے سرگرم رکن تھے۔

ڈاکٹر انور فگار ہکڑو اپنے مضمون "سندھی ادبی سرکل کی تشکیل" پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ترقی پسند تحریک کا آغاز اگرچہ سندھ میں نوجوان ادباء اور شعراء کی کاوشوں سے ہوا، مگر کچھ بزرگ ادیب بھی ان کے ساتھ معاون کار رہے۔ گوبند پنجابی اور اس کے ساتھی ادیب برکت علی آزاد نے 1937ع میں شکارپور کے جمانی ہال میں "سندھ سوشلسٹ کانفرنس" بلا کر نہ صرف نئے فکر اور ترقی پسند تحریک کا آغاز کیا مگر "نئیں دنیا کتاب گھر" شکارپور کی بنیاد بھی ڈالی۔ اس کتاب گھر کی جانب سے پہلے برکت علی آزاد کی کتاب "نوجوان ڈانھن" (نوجوانوں کی جانب) شائع کیا۔ بعد میں گوبند پنجابی کی کہانیوں کا مجموعہ "سرد آھوں" (سرد آہیں) 1942ع میں شایع کیا گیا۔ ان کتابوں نے سندھ میں سندھی ادب کو ایک نیا زاویہ دیا اور ادباء میں بیداری پیدا کی۔ سندھ کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے نوجوان طلباء جو ادب سے رغبت رکھتے تھے، انہوں نے نئی فکر سے وابستگی اختیار کی وہ اپنے تعلیمی اداروں میں مشاعروں کی محفلیں اور ادبی نشستیں منعقد کرتے تھے اور ان محافل میں کہانیاں، مضامین پیش کرتے رہے۔ سی اینڈ ایس کالج شکارپور اور کراچی کے ڈیارام جیٹھ مل کالج (D. J. College) کے طلباء کی خدمات اور بیداری ہماری ادبی تاریخ کا اثاثہ ہیں۔"(11)

شیخ عبدالرزاق راز اپنے مقالے "جدید سندھی ادب۔ اجمالی جائزہ" میں ترقی پسند تحریک کی تشکیل کے سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں:

"دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر نوجوان ادیبوں کا ایک گروہ بڑے جوشیلے انداز میں جدید سندھی ادب کا پرچم بلند کرنے لگا۔ یہ سلسلہ کچھ یوں چلا کہ 1934ع کے لگ بھگ ڈی جے سندھ کالج کراچی میں بزم اردو اور سندھی ادبی سرکل نے نئے خطوط پر نئے ادب اور نئی ادبی تحریک کی داغ بیل ڈالی۔ ڈاکٹر گربخشانی سندھی ادبی سرکل کے پہلے صدر تھے۔ اور راقم الحروف کو جنرل سیکریٹری بنایا گیا تھا۔ پھر 1945ع میں انجمن ترقی پسند مصنفین کی بنیاد رکھی گئی۔ انجمن کا سیکریٹری گوبند مالھی کو منتخب کیا گیا تھا۔ ہر جمعہ کی شام کو ہم لوگ آرام باغ کے ایک فلیٹ میں مل بیٹھتے تھے۔ اور ادبی مسائل پر بحث مباحثہ اور نئے ادب کی تخلیق پر گفتگو رہتی تھی۔ ان نشستوں میں ہمارے جدت پسند اساتذہ بھی

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

شریک ہوتے تھے۔"(12)

قیام پاکستان کے فوراً بعد ترقی پسند ادب کی ترقی عارضی طور پر رک سی گئی، کیونکہ ادیبوں، شاعروں، ناشروں اور پبلشروں کی بڑی تعداد انتقال آبادی کا شکار ہوگئی۔ البتہ جمیعت الشعراءِ سندھ بدستور اپنی روش پر قائم رہی، اور حسب معمول ان کی کانفرنسیں اور مشاعرے منعقد ہوئے، لیکن نوجوانوں کی اکثریت عروضی شاعری سے تنگ آچکی تھی۔

1954ع میں جب پاکستان سرکار نے ملک میں کمیونسٹ پارٹی پر پابندی عائد کی تو ترقی پسند مصنفین پر بھی پابندی عائد کردی گئی۔ ترقی پسند ٹولے کے بچے کھچے ساتھیوں نے کراچی میں نئی نئی محفلیں سجائیں۔ چونکہ انجمن ترقی پسند مصنفین میں اکثریت نوجوان طلباء ادیبوں کی تھی، ایک نئی ترقی پسند ادبی جماعت "سندھی ادبی سنگت" (سندھی ادبی جماعت) کی بنیاد ڈالی۔(13) اس جماعت کی نشستیں ابتداء میں جناح کورٹس اور میٹھارام ہاسٹل میں ہوتی تھیں۔ مرحوم احسان بدوی سنگت کے پہلے سیکریٹری اور مرحوم عبدالغفور انصاری جائنٹ سیکریٹری (Joint Secretary) تھے۔ پرانے ترقی پسند ادیب تقسیم کے باعث صدمے اور ادبی جمود کے سبب فراریت اور مایوسی کے شکار بن گئے۔

بہت سے لکھاریوں نے عارضی ریٹائرمنٹ اختیار کی۔ مگر جلد ہی کراچی میں حالات تبدیل ہونے لگے۔ 1953ع میں سندھی ادبی بورڈ پھر قائم ہوا تو محمد ابراہیم جویو اور سراج میمن کراچی آگئے۔ اس سال غلام ربانی اور شیخ حفیظ بھی حیدرآباد سے کراچی آئے۔ نورالدین سرکی پہلے سے ہی وہاں موجود تھے اور سنگت میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ ترقی پسند ہفتہ وار اخبار "صداقت" بھی نکال رہے تھے۔ ان کا میٹھارام ہاسٹل والا کمرہ نمبر: 72، ادبی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ اس سال سنگت کی نئے سرے سے تنظیم کاری ہوئی اور انتخابات ہوئے۔ عبدالغفور انصاری سیکریٹری اور مرتب جائنٹ سیکریٹری منتخب ہوئے۔ دوسرے سال ایاز قادری جن کے "جمیعت الشعراء" سے بھی قدیم تعلقات تھے، عبدالغفور انصاری کی جگہ سیکریٹری منتخب کیے گئے۔ نئے ساتھی مقبول سومرو، موتی رام اور عبدالواحد سندھی بھی سنگت میں سرگرم ہوئے اور پرانے ممبروں میں سے محمد ابراہیم جویو، روشن مغل، سوبھو گیان چندانی اور پوہو بھی باقاعدگی سے نشستوں میں شرکت کرنے لگے۔

قیام پاکستان کے کچھ ہی سالوں بعد سندھی ادب میں نمایاں ارتقائی اور انقلابی تبدیلیاں رونما

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

ہوئیں۔ بہت سے سیاسی، اقتصادی، سماجی اور ثقافتی مسائل پیدا ہوئے۔ جنہوں نے نہ صرف سندھی ادب کو نئے سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی موضوع دیئے بلکہ قومی و ثقافتی لگن اور جذبے کو ابھارا۔ ثقافتی شو منعقد ہونے لگے۔ ادب برائے ادب کے بجائے، ادب برائے زندگی، عوامی مسائل اور امنگوں، آرزوؤں کا ترجمان ادب تخلیق ہونے لگا۔ کراچی سندھ کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ سندھی طلباء کی سرگرمیوں کا مرکز جناح کورٹس اور میٹھارام ہاسٹل تھے۔ جلد ہی سندھ مسلم کالج، سندھ مدرسہ کے حسن علی ہاؤس میں علیحدہ ہاسٹل کھولا گیا تو وہ بھی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ سندھی ادبی سنگت کی محفلیں جناح کورٹس میں مرحوم احسان بدوی کے کمرے میں یا حسن علی ہاؤس میں یا ایاز قادری کے فلیٹ (6 دھنی رام بلڈنگ، رام باغ روڈ) پر منعقد ہوتی تھیں۔

1954ع میں مرحوم حفیظ شیخ، مرغوب بخاری اور رشید بھٹی نے مل کر کراچی سے ایک ترقی پسند ادبی (رسالہ ماہنامہ شاگرد) کا اجراء کیا جس کے دو پرچے نکلے، جو اس وقت ترقی پسند خیالات کے صحیح معنٰی میں ترجمان ثابت ہوئے۔ عوامی کی پذیرائی نہ ملنے کی وجہ سے تیسرا پرچہ نہ نکل سکا۔ اس قیام پاکستان کے بعد سندھی زبان میں صفائی، اصلاح کی (Puritan) تحریک اور سندھی ادب میں ترقی پسند رجحانات اور فکر کی تحریک ابتدائی دور میں تھی۔ کراچی کے بعد سکھر میں شیخ ایاز، شیخ عبدالرزاق راز، مولائی شیدائی، مقبول صدیقی، نبی بخش داؤد پوتہ، قادر بخش میمن اور رشید بھٹی نے سندھی ادبی سنگت کی بنیاد رکھی۔ اس سے پہلے بھی شیخ ایاز، مقبول صدیقی، قادر بخش، نبی بخش داؤد پوتہ اور اخوند خالد شہید اپنے اپنے طور سے ادبی جمود کو توڑنے کی کوشش کر چکے تھے۔ اور قیام پاکستان کے بعد سندھی کا پہلا ترقی پسند رسالہ "محفل" کا سکھر سے 1952ع میں اجراء ہوا، مگر اس کا صرف ایک ہی پرچہ نکل سکا۔ ادبی میدان میں سندھ میں پہلا دھماکا 1952ع میں ہوا۔ جس نے رجعت پرستوں کو حیران کر دیا۔ سکھر میں پہلی مرتبہ ترقی پسند ادیبوں کی جماعت "سندھی ادبی سنگت" کی جانب سے دو روزہ "یوم سچل" منایا گیا۔ (14) وہ تقریب اپنی نوعیت کے لحاظ سے سندھ میں ترقی پسندوں کی پہلی عملی کوشش تھی۔ پہلا قدم اور کوشش تھی۔ جس میں اپنے کلاسیکی صوفی شعراء کو وقت کے معروضی حالات کے پس منظر میں نئے ترقی پسند نکتہ نظر سے پیش کیا گیا۔ ترقی پسندوں کی جانب سے یہ پہلا عوامی ادبی اجتماع تھا جس میں مقامی ساتھیوں کے علاوہ، سندھ کے باقی شہروں سے بھی ادیب آکر

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

شریک ہوئے تھے۔

ان دنوں حیدرآباد میں جمیعت الشعراء اور بزم طالب المولیٰ کے روشن خیال اور نئی فکر اور سوچ رکھنے والے ادباء اور شعراء نے اپنی ایک جماعت "سندھی ادبی انجمن" قائم کی تھی۔ اس کی ہفتہ وار نشستیں "کراچی ہوٹل" رسالا روڈ میں ہوتی تھیں۔ مرحوم مقبول بھٹی سیکریٹری تھے۔ مولانا غلام محمد گرامی، محمد عثمان ڈیپلائی، حیدر بخش جتوئی، ع۔ق شیخ، شیخ علی محمد، نذیر حسن، ابن الیاس سومرو، ابن حیات پنوھر، مصطفیٰ قریشی، آغا سلیم، تنویر عباسی، شمشیر الحیدری وغیرہ اس کے سرگرم میمبر تھے۔

ان ہی دنوں انجمن کی ایک میٹنگ بلائی گئی جس میں یہ رائے پیش کی گئی کہ جماعت کے نام میں انجمن کی جگہ سنگت استعمال کیا جائے۔ جسے متفقہ طور پر قبول کیا گیا اور اس طرح حیدرآباد کی سندھی ادبی انجمن "سندھی ادبی سنگت" بن گئی۔ (15) اس کے بعد جلد ہی جیکب آباد میں غالب لطیف، عبدالکریم گدائی اور برکت علی آزاد کی کوششوں سے سنگت کی شاخ قائم ہوئی۔ نواب شاہ میں بردو سندھی، نور عباسی، قاضی فیض محمد نے سنگت کی بنیاد ڈالی۔ خیرپور میں جمال رند، خواجہ سلیم، فتاح ملک نے سنگت کی شاخ قائم کی، دادو میں شمشاد جونیجو، تاج صحرائی اور شوکت سندھی نے سنگت کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح تھوڑے ہی عرصے میں سندھ کے تمام بڑے چھوٹے شہروں میں سندھی ادبی سنگت کا آغاز ہوا اور اس نے اپنے مشن اور مقصد میں آگے بڑھنا شروع کیا۔

حوالاجات

1. میمن غفور، ڈاکٹر، سندھی ادب جو فکری پس منظر، کراچی، شاہ عبداللطیف بھٹائی چیئر، کراچی یونیورسٹی 2002ع، ص-351۔
2. عرسانی، شمس الدین، سندھی ادب میں تنقید، حیدرآباد، رونق پبلیکیشن، 1965ع، ص-155۔
3. خواجہ نور افروز، پروفیسر، درھاگے کھانپوئے سندھی ناول جی اوسر، حیدرآباد، گلشن پبلیکیشن، ص-266۔
4. ایضاً۔
5. ستیش روہڑا مقالہ " ہندستان میں سندھی ادب رخ ایں لاڑا" بشمول، سندھ ماضی حال مستقبل، انٹرنیشنل کانفرنس مقالا (ایڈیٹر: ڈاکٹر فہمیدہ حسین) کراچی، شاہ عبداللطیف چیئر، کراچی یونیورسٹی، جامشورو، انسٹیٹیوٹ آف سندھیالوجی، سندھ یونیورسٹی، 2006ع، ص: 255۔

Shah Abdul Latif Bhitai Chair

6. ایضاً، ص-256۔
7. عتیق احمد مقالہ "ترقی پسند تحریک اور کراچی"، بشمول، ترقی پسند ادب پچاس سالہ سفر" (مرتب: پروفیسر قمر رئیس، سید عاسور کاظمی) دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، طبع دوم، 1989ع، ص: 307-331۔
8. Popti, R. Hiranandani, History of Sindhi Literature (Post Independence) Bombay, 1984, P-39.
9. Ibid.
10. بھٹی، رشید، مرتب، خط، انٹرویو، تقریروں شیخ ایاز، حصہ اول، حیدرآباد، نیو فیلڈس پبلیکیشن، طبع دوم، 1999ع، ص: 42۔
11. ہکڑو، انور فگار، ڈاکٹر، مضمون، "سندھی ادبی سرکل" بشمول، کینجھر- 10، جام شورو، سندھی شعبہ، سندھ یونیورسٹی-177۔
12. شیخ راز، مضمون، "جدید سندھی ادب اجمالی جائزہ"، بشمول، ماہنامہ تخلیق، سندھی ادب و ثقافت نمبر، لاہور، جلد 19، شمارہ 1-2، 1988ع، ص: 139۔
13. بھٹی، رشید، ایضاً، ص: 43۔
14. ایضاً، ص: 48۔
15. ایضاً، ص: 49۔

Shah Abdul Latif Bhitai Chair